تنبیہ الغافلین

گذشتہ صفحات میں نیشنلزم اور آزادئ ہند کی وطن پرستانہ تحریک کا جو علمی اور واقعاتی تجزیہ کیا گیا ہے اس سے یہ بات آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہو جاتی ہے کہ ہمارے اور اس تحریک کے درمیان کوئی قدر مشترک نہیں ہے۔ ہماری موت اس کی زندگی ہے اور اُس کی موت ہماری زندگی۔ ہمارے اور اس کے درمیان اصول میں، مقاصد میں اور طریق کار میں نہ صرف یہ کہ کسی قسم کا اتحاد نہیں ہے، بلکہ درحقیقت کلی اختلاف ہے، ایسا شدید اختلاف کہ کہیں کسی ایک نقطہ پر بھی ہم اور وہ جمع نہیں ہوتے۔ ہمارا اور اُس کا تباین اس نوعیت کا ہے جیسا مشرق اور مغرب کا تباین ہے کہ جو شخص مشرق کی طرف جانا چاہتا ہو اُس کے لئے بجز اس کے کوئی چارہ ہی نہیں کہ مشرق سے مُنہ موڑ لے۔

اب جو شخص اس تحریک کے ساتھ چلتا ہے اور اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتا ہے وہ لامحالہ دو حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں مبتلا ہے۔ یا تو وہ اس تحریک کی حقیقت اور اس کے منطقی اور واقعی نتائج کا پورا شعور رکھتا ہے اور اس شعور کے ساتھ اُس نے اپنے لئے یہ راستہ منتخب کیا ہے۔ یا پھر وہ کسی غلطی کا شکار ہے۔

پہلے شخص سے ہمارا کوئی جھگڑا اس کے سوا نہیں ہے کہ ہمیں اُس کی منافقت پسند نہیں ہم اُس سے صاف کہتے ہیں کہ جب تم اسلامی قومیت کی نفی کرنے کے لئے بالارادہ تیار ہو اور اُس جمہوری نظام میں صرف ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے شریک ہونا چاہتے ہو جسکو

واحد وطنی قومیت کی بنیاد پر تعمیر کیا جا رہا ہے تو تمہیں آخر کس نے مجبور کیا ہے کہ اپنے آپکو نام چارے کے لئے اسلامی جماعت سے بھی وابستہ رکھو؟ یہ نہ صرف منافقانہ حرکت ہے بلکہ اس میں تمہارا اپنا سراسر نقصان ہے۔ اقلیت کا ٹھپہ جبتک تمہارے اوپر لگا رہے گا اُس وقت تک اکثریت کی حکومت میں تمہارے ساتھ امتیازی برتاؤ بہر حال ہوگا خواہ تم ایک سو ایک فیصدی نیشنلسٹ بن جاؤ۔ تمہارا نام ہر جگہ تمہاری راہ میں حائل ہوگا۔ ہر ذمہ داری کا منصب تمہیں دیتے ہوئے اکثریت جھجکے گی۔ صدارت کی کرسی، وزارت عظمیٰ، پارٹی لیڈرشپ، مالی اعانت، غرض ہر اہم چیز تم کو دینے میں فطری طور پر بخل سے کام لیا جائے گا۔ اس معاملہ میں اگر تم ایثار کے لئے تیار ہو تب بھی یہ تو تمہیں سمجھ لینا چاہئے کہ ایک علیحدگی پسند قوم سے ظاہری وابستگی برقرار رکھ کر تم اپنے مقصد — واحد قومیت کی تعمیر — کو نقصان پہنچا رہے ہو۔ جبکہ ایک قوم اپنی جداگانہ ہستی قائم رکھنے پر اصرار کر رہی ہے تو تمہارے اوپر یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ اُس سے علیحدگی اختیار کرو بشرطیکہ تم اپنے مقصد کے سچے وفادار رہو۔

اب رہ جاتا ہے وہ شخص جو اپنی قومیت کی نفی نہیں کرنا چاہتا، بلکہ دل سے اس کے بقا اور نشوونما کا آرزومند ہے، اور اس امر کی حقیقی خواہش رکھتا ہے کہ آزاد ہندوستان میں اُس کی قومیت کو آزادی، خود اختیاری اور ترقی کا پورا موقع ملے، مگر اس کے باوجود کسی غلطی یا غلط فہمی کی وجہ سے اس تحریک میں شامل ہو گیا ہے جو اُس کے قومی نصب العین سے اصولی، مقصدی، اور فعلی مخالفت رکھتی ہے۔ ایسے شخص کی حالت کا ہمیں تجزیہ کر کے دیکھنا ہوگا کہ وہ کس نوعیت کی غلطی یا غلط فہمی میں مبتلا ہے۔

اس کے مرض کا ایک سبب یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس تحریک کی حقیقت سے واقف

نہ ہو، بلکہ چند سطحی باتیں اپنے حسب منشا پاکر اس کے ساتھ لگ گیا ہو۔ گذشتہ صفحات اس بیماری کا علاج کرنے کے لئے کافی ہیں۔ آنکھیں کھول کر انہیں پڑھے گا تو انشاء اللہ شفایاب ہو جائے گا۔

دوسرا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس تحریک کی حقیقت اور اس کے نتائج کو سمجھتا ہو، مگر علم و واقفیت کی کمی نے اُسے اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا ہو کہ ہندوستان میں آزاد حکومت کا نشو و نما اُن جمہوری اصولوں کے سوا کسی دوسری صورت سے ممکن ہی نہیں ہے جن کو یہاں رواج دیا جا رہا ہے، لہٰذا وطنی آزادی کی خواہش رکھنے والے کو چار و ناچار انہیں قبول کرنا ہی پڑیگا۔ ورنہ پھر دوسرا راستہ اور ایک ہی راستہ انگریز کی غلامی ہے۔ جو لوگ اس غلط فہمی کے شکار ہوئے ہیں انہیں اس کتاب کا آخری باب کھلے دل سے پڑھنا چاہئے۔ ہمیں اُمید ہے کہ اُن کی پوری تشفی ہو جائے گی۔

تیسرا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ علمی و نظری حیثیت سے تو ایک شخص کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہے۔ مگر یاس، بزدلی اور کم ہمتی نے اس کے دل پر قابو پا لیا ہے۔ اسے یہ تو خبر ہے کہ ہندوستان کے مسئلہ کو حل کرنے کی دوسری صحیح تر صورتیں بھی موجود ہیں۔ مگر وہ ایک طرف اپنی قوم کی بے چارگی کو دیکھتا ہے اور دوسری طرف یہ دیکھ کر مبہوت زدہ ہو جاتا ہے کہ وطنی قومیت اور جمہوریت کی پشت پر زبردست طاقتیں ہیں جن کا مقابلہ یا تو کیا ہی نہیں جا سکتا، یا اگر کیا جا سکتا ہے تو اپنے آپ کو بربادی و ہلاکت کے خطرے میں ڈالنا پڑیگا اور پھر بھی کامیابی کی اُمید کم ہی ہے۔ ایسے شخص کے لئے ہم خدا سے دعا کریں گے کہ اس کے دل میں ایمان کی طاقت پیدا ہو۔ اور اس شخص کو بھی مشورہ دیں گے کہ بندہ خدا، اگر تجھ میں تائید حق کا بل بوتا نہیں ہے تو باطل کی تائید کر کے اپنی قبر میں آگ کیوں بھرتا ہے۔

جا، اور گوشے میں بیٹھ کر اللہ اللہ کر۔ یہ فتنہ کا وقت ہے۔ جو مردِ میدان بن کر نہیں نکل سکتا اُس کے لئے سلامتی ایمان کی راہ صرف یہی ہے کہ اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے۔

چوتھا سبب یہ بھی ممکن ہے کہ آدمی پر جذبۂ انتقام مستولی ہو گیا ہو۔ اسے انگریز کے ہاتھوں سے اتنی تکلیفیں پہنچی ہوں کہ وہ جوشِ غضب میں اندھا ہو گیا ہو اور کہتا ہو کہ اگر حق کی تلوار نہیں ملتی تو پروا نہیں، میں باطل ہی کی تلوار سے اس دشمن کا سر اُڑاؤنگا۔ چاہے ساتھ ہی ساتھ میری اپنی ملت کی بھی رگِ جان کٹ کے رہ جائے۔ ایسے شخص کی بیماریٔ دل کا علاج خداوند عالم کے سوا اور کسی کے پاس نہیں۔ اللہ اُس کو توبہ کی توفیق عطا فرمائے ورنہ ڈر ہے کہ جس راہ پر وہ اس جذبہ کے ساتھ چل رہا ہے اسمیں اپنی عمر بھر کی کمائی ضائع کر دے گا اور قیامت کے روز اس حال میں خدا کے سامنے حاضر ہوگا کہ ساری عبادتیں اور نیکیاں اُس کے نامۂ اعمال سے غائب ہونگی اور ایک قوم کی قوم کو گمراہی و ارتداد میں مبتلا کرنے کا مظلمۂ عظیم اس کی گردن پر ہوگا۔ لیحملون اوزارھم واوزارا من اوزار الذین یضلونھم۔

پانچواں سبب یہ ہے کہ ایک شخص اس فعل کو کارِ ثواب سمجھ کر کر رہا ہو۔ وہ اس خیال میں مبتلا ہو کہ دنیائے اسلام کو انگریزی امپیریلزم کے پنجے سے چھڑانے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ آزادیٔ ہند کی اس تحریک کا ساتھ دیا جائے۔ اب اگر اس میں ہندوستان کی مسلمان قوم ختم ہو جائے تو پروا نہیں۔ ہندوستان سے باہر کے مسلمان تو اس بلا سے نجات پا جائیں گے۔ اس خیال خام نے جس شخص پر قابو پا لیا ہے اُس سے ہم تین باتیں عرض کریں گے:۔

(۱) انگریزی امپیریلزم کو اگر کوئی چیز ختم کر سکتی ہے تو وہ آزادیٔ کامل کی خالص انقلابی تحریک ہی ہے۔ اس کے بغیر نہ یہ بلا دور ہوگی نہ آپ کا مقصد حاصل ہوگا۔ لیکن یہ تحریک جسکا

ساتھ آپ دے رہے ہیں، نہ آزادی کامل کی تحریک ہے، اور نہ خالص انقلابی تحریک۔ اسکی جو حقیقت ہم پچھلے صفحات میں بیان کر چکے ہیں اُس کی تردید میں اگر آپ کے پاس کانگریسی لیڈروں کے بعض زبانی دعووں کے سوا کوئی ثبوت ہو تو بسم اللہ، اسے سامنے لے آیئے۔ ورنہ صریح واقعات کے خلاف آپ کا اپنی جگہ یہ سمجھ بیٹھنا کہ اس تحریک کی حمایت سے آپ دنیائے اسلام کو آزاد کرالیں گے محض بے معنی ہے۔ اور بلاوت ذہن کے سوا کسی دوسری چیز پر دلالت نہیں کرتا۔

(۲) پھر اگر بالفرض اس وطنی قومیت کی تحریک سے آپ کو فی الواقع دنیائے اسلام کی آزادی حاصل بھی ہو سکتی ہو تو ہم کہیں گے کہ اس پاک مقصد کے لئے یہ ناپاک ذریعہ اختیار کرنا ہرگز جائز نہیں۔ خوب سمجھ لیجئے کہ اس تحریک کی کامیابی اور ہندوستان کی مسلمان قوم کا ارتداد دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اس کا مآل یہ ہے کہ آٹھ کروڑ مسلمانوں کی عظیم الشان قوم رفتہ رفتہ مرتد ہو جائے اور اُس کی آئندہ نسل سے مادہ پرست دہریے پیدا ہوں، جن کے عقائد اخلاق اور اعمال میں اسلامیت کا شائبہ تک نہ پایا جائے۔ کیا اس نتیجہ کو سامنے رکھ کر کوئی شخص جو علم دین سے ذرہ برابر بھی بہرہ رکھتا ہو، یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ دنیائے اسلام کی آزادی کے لئے یہ قربانی دینا بھی جائز ہے؟ اگر محض جان اور مال کی قربانی کا سوال ہوتا تو پروانہ تھی ہم کھلے دل کے ساتھ کہتے کہ اس سرزمین کا ایک ایک مسلمان اس مقصد کے لئے کٹ مرے حتّٰی کہ ایک بچہ بھی زندہ نہ رہے۔ لیکن یہاں سوال دین و اخلاق کی قربانی کا ہے۔ یہاں یہ قربانی دینی پڑتی ہے کہ ہماری نسلیں باقی رہیں مگر مسلمان نہ رہیں۔ تو یہ قربانی دنیا کی کسی بڑی سے بڑی اور مقدس سے مقدس چیز حتّٰی کہ بیت اللہ اور گنبدِ خضراء کے لئے بھی نہیں دی جا سکتی۔

(۳) وطن پرستی کی یہ تحریک اگر کامیاب ہو جائے تو دنیائے اسلام کے لئے انگریزی

امپیریلزم کے بجائے ہندوستانی امپیریلزم کا خطرہ پیدا کردیگی نیشنلزم تاریخ کے دوران میں اکثر امپیریلزم کی شکل اختیار کرتا رہا ہے اور آج بھی اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں شتر مرغ کی طرح ریت میں منہ چھپا لینے سے کچھ حاصل نہیں۔ آپ کو اچھی طرح جان لینا چاہیئے کہ نیشنلزم کا نشہ جب کامیابی سے ہمکنار ہوگا تو امپیریلزم کا جنون بن جائے گا اور اس وقت دنیائے اسلام کے قلب میں ایک دوسرا جاپان پیدا ہوگا۔ آپ کی موجودہ نسل نے تو محض پیٹ کی خاطر ارضِ عرب میں دادِ مردانگی دی ہے لیکن آپ کی آئندہ نسل جو ردھا اسکیم اور دیامندر اسکیم سے تیار ہوگی وہ اعتقاد کی قوت کے ساتھ یہ خدمت انجام دیگی۔ اس کا ضمیر اس فعل پر ملامت نہ کریگا بلکہ اُلٹا فخر کرے گا کہ اس نے ہندوستان کا نام اونچا کیا اور اپنی "قوم" کے آگے دور و نزدیک کی قوموں کے سر جھکا دیئے۔ پس درحقیقت ہندوستان کے مسلمان پر نیشنلزم کے شیطان کو مسلط کرنا دنیائے اسلام کی بھی کوئی خدمت نہیں ہے۔

اب ایک غلط فہمی اور رہ جاتی ہے جسے دور کر دینا ضروری ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس ملک میں کانگریس ایک طاقت بن چکی ہے اور ایسی طاقت بن گئی ہے جس نے سیاسی قوت و اقتدار کے تمام سرچشموں پر قابو پا لیا ہے۔ اس سے الگ رہنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ہم ان سرچشموں سے خود دستبردار ہو گئے اور دوسرے لوگوں کو آپ سے آپ ان کا قبضہ دیدیا۔ زیادہ صحیح تدبیر یہ ہے کہ اس جماعت کے اندر گھس جاؤ اور وہاں طاقت پیدا کرو۔ اس کا کم سے کم فائدہ یہ ہے کہ ہندو راج کے حامیوں کا زور ٹوٹ جائے گا اور مسلمان سیاسی طاقت میں حصہ دار بن جائینگے۔ اور اس میں زیادہ سے زیادہ فائدہ کے بھی امکانات ہیں۔ مثلاً یہ کہ مسلمان سوشلسٹ گروہ کے ساتھ مل کر مہاسبھائی عنصر کو شکست دے دیں۔ اور یہ کہ مسلمان اپنی بالاتر تہذیب سے ہندوؤں کو متاثر کریں اور آگ کی طرح اُن کی تہذیب

ہندوؤں میں پھیلتی چلی جائے۔

یہ بڑی دل خوش کن باتیں ہیں۔ مگر ہمیں تنقید کر کے دیکھنا چاہئے کہ اس میں حقیقت کتنی ہے اور جنتِ حمقا کی ہوائیں کسقدر شامل ہوگئی ہیں۔

بلاشبہ کانگریس کا نظام جمہوری ہے اور اس کے آئین میں اتنی گنجائش موجود ہے کہ جو گروہ چاہے اس میں شریک ہو کر اقتدار کے مرکز پر قبضہ کرنے کی جدوجہد کر سکتا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح انگلستان کے آئین میں اس امر کی گنجائش موجود ہے کہ لبرل، کنزرویٹو، سوشلسٹ، کمیونسٹ جو چاہے پارلیمنٹ میں جانے اور وزارت پر قبضہ کرنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ نظری حیثیت سے یہ بھی ممکن ہے کہ دو یا تین چھوٹی جماعتیں مل کر ہر دوسری جماعت سے زیادہ طاقتور ہو جائیں اور مرکزی اقتدار حاصل کر لیں۔ لیکن یہاں سوال آئین اور اس کی نظری گنجائشوں کا نہیں بلکہ امورِ واقعیہ کا ہے۔ جو جماعت خالص جمہوری اصولوں پر بنی ہو اس میں کسی ایسی پارٹی کے برسرِ اقتدار ہونے کا ہرگز کوئی امکان نہیں جسکی حیثیت دراصل قومی اقلیت (NATIONAL MINORITY) کی ہو، اور کثیر التعداد قوم کی تمام پارٹیوں میں جس کے خلاف قومی امتیاز اور قومی امپیریلزم کا جذبہ بطور ایک قدرِ مشترک کے پایا جاتا ہو۔ ایسی اقلیت نہ تو کبھی اکثریت بن سکتی ہے، اور نہ یہ اُمید کر سکتی ہے کہ کثیر التعداد قوم کی کوئی پارٹی اس کو برسرِ اقتدار ہونے میں مدد دیگی۔

ہمارے سامنے آئرلینڈ کی مثال موجود ہے۔ ۱۸۰۱ء میں انگلینڈ اور آئرلینڈ کی یونین (وحدت) عمل میں آئی اور دونوں قوموں کو ایک قوم قرار دے کر ایک جمہوری نظام میں شریک کر دیا گیا۔ دونوں کی ایک ہی پارلیمنٹ تھی۔ ایک ہی طریقِ انتخاب سے دونوں اپنے اپنے نمائندے منتخب کر کے اس جمہوری ادارہ میں بھیجتے تھے۔ اور جہاں تک نظریہ کا تعلق ہے،

آئین میں کوئی ایسی رکاوٹ موجود نہ تھی کہ آئرش نمائندے پارلیمنٹ میں اکثریت حاصل کر کے گورنمنٹ پر قابض نہ ہو سکیں یا کسی دوسری پارٹی کے ساتھ مل کر وزارت نہ بنا سکیں لیکن فی الواقع ہوا کیا؟ او کانل (O'CONNELL) جیسے آتش بیان خطیب اور ہوشیار قانون داں کی تدبیریں اور پارنل (PARNELL) جیسے قابل پارلیمنٹری لیڈر کی چالیں بھی کچھ نہ کر سکیں۔ ایک سو بیس سال کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ ایک دن کیلئے بھی آئرش نمائندوں کو برطانوی پارلیمنٹ میں اقتدار نصیب نہ ہوا۔ اور اقتدار تو درکنار وہ غریب کسی آئینی تدبیر سے ان مصائب کو بھی دور نہ کر سکے جو انگریزی حکومت کے ہاتھوں ان پر نازل ہوئے تھے حتّٰی کہ آخر کار انکو باہر سے لڑنا پڑا، اور آج کی آئرستانی جمہوریت کسی آئینی جدوجہد کسی اندرونی تعاون کا نہیں بلکہ بیرونی جنگ کا نتیجہ ہے۔ یہی سبق ہم کو چیکوسلواکیا کے جمہوری نظام سے ملتا ہے جہاں جرمن اور سلاوک اقلیتیں چیک اکثریت کے مقابلہ میں پارلیمنٹری طریقوں سے کچھ نہ کر سکیں۔ یہی سبق ہمیں یوگوسلیویا سے ملتا ہے جہاں کروٹس اور سلافینی آج تک کبھی کسی آئینی چال سے حکومت کے نظام پر قابض نہ ہو سکے۔ یہی سبق ہمیں امریکہ سے ملتا ہے جہاں ہر پارٹی حکومت پر قبضہ کر سکتی ہے مگر حبشی قوم کیلئے اسکا قطعاً کوئی امکان نہیں۔ لہذا جو لوگ اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ ہم جب تک مسلمان ہیں یہاں ہماری حیثیت محض ایک سیاسی پارٹی کی نہیں بلکہ ایک قومی اقلیت کی ہے، وہ کانگرس پر قبضہ کرنے کے خواب جسقدر چاہیں دیکھتے رہیں مگر عقل سے نہیں سمجھتے تو تجربہ انہیں بتا دے گا کہ یہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکیں گے۔

بھول نہ جانا چاہیئے کہ کانگرس کا اور ہمارا اختلاف محض ذرائع اور طریقوں (MEANS AND METHODS) کے اختلاف کی حیثیت نہیں رکھتا۔ یہ اصول مقاصد اور پالیسی کا بنیادی اختلاف ہے، اُسکے اصول قومیت و جمہوریت کو ہم بالکل بدل ڈالنا چاہتے ہیں۔ اسکے مقصد یعنی ایک قومی جمہوری لادینی اسٹیٹ کے قیام کو بھی ہم قبول نہیں کر سکتے۔ اسکی پالیسی، یعنی بتدریج سیاسی اختیارات

حاصل کرنے اور انکی مدد سے ہندوؤں کی بالادستی عملاً قائم کر دینے کو بھی ہم گوارا نہیں کر سکتے۔ یہ تینوں بنیادی چیزیں جبتک بدل نہ جائیں، کانگرس کیساتھ ہمارا تعاون اسلامی اغراض کیلئے ذرہ برابر مفید نہیں۔ اب دیکھنا چاہئے کہ آیا کانگرس کے اندر جاکر ہم یہ مقصد حاصل کر سکتے ہیں؟

داخلی مقاومت یا تعاون سے کسی جمہوری تنظیم کے اصول، مقاصد اور پالیسی میں تغیر پیدا کرنے کی تین ہی صورتیں ممکن ہیں:

یا تو تغیر چاہنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو کہ وہ اس جماعت پر چھا جائیں۔ اس صورت میں کلی تغیر بھی ہو سکتا ہے۔

یا اس جماعت کے اندر ان کا نظام اتنا زبردست ہو کہ وہ اپنی منظم مقاومت سے اس جماعت کو پریشان کر دیں۔ اس صورت میں کلی تغیر تو نہیں، البتہ کسی حد تک تغیر ضرور ممکن ہے۔

یا پھر تغیر چاہنے والے اپنے اخلاقی اثر اور اپنے دلائل کی قوت سے اس جماعت کی رائے کو متاثر کر دیں، اور اس طرح وہ جماعت خود ہی حق اور عدل کی طرف مائل ہو جائے۔ اس طریقہ کی کامیابی تمام تر اس جماعت کی انصاف پسندی و حق آگاہی پر منحصر ہے۔

انمیں سے پہلی صورت تو یہاں ناقابلِ عمل ہے کسی حسابی معجزے کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے کہ کانگریس میں مسلمانوں کے ووٹ ہندوؤں کے ووٹوں سے زیادہ ہو جائیں۔ لہذا جو لوگ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ کثرت سے کانگریس میں داخل ہو اور اس پر قابض ہو جاؤ انکی بات اتنی ہی قابلِ التفات ہے جتنی اس شیر خوار بچے کی بات قابلِ التفات ہو سکتی ہے جو بے چارا ایک اور چار کی نسبت سے بھی واقف نہیں۔

رہی دوسری صورت تو داخل میں منظم جدوجہد اور مقاومت صرف اس طرح ممکن ہے کہ کانگریس میں جتنے مسلمان شریک ہیں، اور آئندہ شریک ہوں، وہ سب کے سب یا انکی ایک بہت بڑی اکثریت ایک پارٹی، بلکہ ایک ٹیم بنکر رہے، انکی قیادت ایک ایسے دیندار گروہ کے ہاتھ میں ہو جو اسلامی مفاد کا صحیح احساس و شعور رکھتا ہو، اور وہ اس گروہ کی ایسی کامل اطاعت کریں کہ انکا کانگریس میں رہنا یا نکل آنا اسکے حکم پر موقوف ہو۔ مگر کیا

بحالات موجودہ کانگریس میں ایک مسلم پارٹی کی تنظیم اس طرز پر ہو سکتی ہے؟ واقعات سے اسکا جواب نفی میں ملتا ہے۔ وہاں جو مسلمان شریک ہیں ظاہر میں ان سب پر لفظ مسلمان کا اطلاق ہوتا ہے اور آزادی ہند کے مسئلے میں وہ ہم آہنگ بھی ہیں، لیکن اسلامی نقطۂ نظر سے انکے خیالات اسقدر متضاد ہیں کہ انکو ایک پارٹی میں منسلک کرنیکا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ انمیں سے ایک گروہ تو قطعی طور پر اسلام سے منحرف ہو چکا ہے اور حتمًا یہ رائے رکھتا ہے کہ ہندوستان کے آئندہ نظام اجتماعی میں مذہب کیلئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ دوسرا گروہ نہ منحرف ہے اور نہ معتقد۔ اس گروہ میں اتنی مختلف اقسام پائی جاتی ہیں جتنی سانپوں کی اقسام ہیں۔ انمیں سے بعض اسلام کے متعلق خود اپنے کچھ تصورات رکھتے ہیں جن کیلئے کتاب و سنت کی سند غیر ضروری ہے۔ بعض کو "مسلمان" کے سیاسی معاشی مفاد سے تو ضرور دلچسپی ہے مگر اسلام سے کوئی دلچسپی نہیں۔ بعض ایسے ہیں جو مسلمانوں کے مفاد کو کسی حد تک اہمیت ضرور دیتے ہیں مگر اتنی نہیں کہ "ملک" کے مفاد کا جو تصور انکے دماغ میں ہے اس پر مسلمانوں کے مفاد کو قربان کرنے میں انہیں کوئی تامل ہو۔ تیسرا گروہ ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جو دیندار، اہل علم اور نیک نیت ہیں۔ کانگرس میں جب کبھی ہندوستان کے مشترک مفاد کا کوئی مسئلہ اٹھے گا تینوں گروہ ایک آواز بلند کرینگے۔ مگر جب اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کا سوال آئیگا تو یہ اسقدر بھانت بھانت کی بولیاں بولینگے کہ اسلام اور مسلمان دونوں غیر مسلموں کے لئے مضحکہ بنکر رہ جائینگے اور یہ متعین کرنا بھی مشکل ہو جائیگا کہ حقیقت میں اسلام کیا چیز ہے اور مسلمانوں کا مفاد کس چڑیا کا نام ہے۔

ماس کانٹیکٹ کے ذریعہ سے یہ تینوں گروہ مسلمانوں کو کانگرس میں بھرتی کر رہے ہیں، اور اب علمائے کرام کے صدقے میں کانگرس کے ہندو کارکن بھی بھرتی کا کام کرنیکے قابل ہو گئے ہیں۔ اس طرح جو مسلمان کانگرس میں جا رہے ہیں وہ ان تینوں گروہوں اور انکی بیشمار شاخوں میں تقسیم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ کانگرس کے ہندو ارکان کی ہمدردیاں تمامتر پہلے گروہ سے وابستہ ہیں۔ خواہ وہ گاندھی جی ہوں، یا جواہر لال، یا کوئی سنت مہا بھائی، بہرحال فطرۃً ان سب کا میلان اُن نام نہاد مسلمانوں کی طرف ہے جو اسلام سے اعتقاداً اور عملاً منحرف ہو چکے ہیں اور جو اس وقت ہندوستان میں اسلام اور اسلامی قومیت کی جڑیں کاٹنے کیلئے بدترین منافقوں کا پارٹ ادا کر رہے ہیں۔ کانگریس

کے ذمہ دار عہدے اور کانگریسی حکومتوں کے تحت عزت و منفعت اور اثر و اقتدار کے مناصب تمامتر انہیں منافقین کیلئے وقف ہیں اور رہینگے۔ انکے بعد کانگریسی لیڈروں کے نزدیک اگر کوئی گروہ قابلِ ترجیح ہے تو وہ دوسرا گروہ ہے، اور اس گروہ میں سے بھی خصوصیت کیساتھ وہ طبقہ جو منافقین کے مقام سے اقرب ہے باقی رہا تیسرا گروہ اور اس سے قریب تر تعلق رکھنے والے طبقے، تو انکو محض آلہ کار کی حیثیت سے استعمال کیا جارہا ہے جبتک یہ وفادار خدام کی حیثیت سے صرف رنگروٹ بھرتی کرتے رہینگے ان سے مداہنت برتی جائیگی۔ جہاں انہوں نے کچھ زور پکڑا اور اسلامی مفاد کا نام لیا، ان پر منافقین کی اس فوج کو ہشکار دیا جائیگا جو اسی دن کیلئے پرورش کی جارہی ہے۔ ایسے موقع پر ہندو لیڈروں کو خود سامنے آنیکی کی تکلیف بھی نہ اُٹھانی پڑیگی۔ ہماری اپنی قوم کے منافقین ہی ہمارے دینداروں کو بھنبوڑ کھائینگے۔ کیا ایسی حالت میں کانگرس کے اندر اسلامی مفاد کیلئے کوئی منظم جدوجہد کی جاسکتی ہے؟

اسکے بعد تیسری صورت باقی رہ جاتی ہے۔ جہانتک اخلاقی اثر اور دلیل و حجت کا تعلق ہے، اسکے لئے کثرت تعداد کی کوئی حاجت نہیں۔ اگر کوئی جماعت واقعی حق پسند اور نصفت شعار ہے تو اس کو ایک تنہا شخص بھی حق کا اعتراف کرنے اور انصاف سے کام لینے پر آمادہ کرسکتا ہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ گذشتہ چند مہینوں میں کانگریسی حکومتوں نے مسلمانوں کے ساتھ جو صریح اور ناقابل انکار بے انصافیاں کی ہیں، ان میں سے کس کی تلافی ہمارے دیندار کانگریسی بھائیوں نے اپنے اخلاقی اثر اور زور استدلال سے کرالی؟ کیا وردھا اسکیم اور ودیا مندر اسکیم میں ایک شوشے کا بھی تغیر کرالیا؟ کیا گائے کی قربانی کو دفعہ ۱۴۴ کی زد سے بچالیا؟ کیا اس صریح بے انصافی کا کوئی تدارک کرالیا جو بہار اور سی پی کے ڈسٹرکٹ بورڈوں اور میونسپلٹیوں میں مسلمانوں کے ساتھ روا رکھی گئی؟ جگہ جگہ مدرسوں اور پبلک جلسوں میں مسلمانوں کو بندے ماترم کیلئے قیام تعظیمی پر جو مجبور کیا جارہا ہے، کیا اسکا کوئی تدارک کرالیا؟ اور اگر یہ نہیں تو یہی ارشاد ہو کہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلٰوۃ

وسلام بھیجنے ہی کیلئے قیام تعظیمی ممنوع ہے' اور صرف اسی پر رسالے تصنیف کرنے اور فتوے شائع کرنے کی بھی ضرورت ہے ؟ باقی رہا بندے ماترم تو وہ اس سے بالاتر ہے کہ اس کے لئے قیام تعظیمی کرنے یا نہ کرنے کا سوال معرض بحث میں لایا جاسکے ؟ اسی پی میں کانگریس ورکنگ کمیٹی نے ہندو وزراء اور ایک مسلمان وزیر کے ساتھ جو مختلف قسم کے طرزِ عمل اختیار کئے، کیا اس پر کوئی نتیجہ خیز بازپرس کرلی ؟ حکومت کی طاقت سے اُردو کو دبانے اور ہندی کو اُبھارنے کی علی الاعلان جو کوششیں ہو رہی ہیں' کیا ان کو رکوا دیا ؟ کانگریسی حکومتوں میں نہایت متعصب اور بدنام مہاسبھائیوں کو جو ذمہ دار عہدے دیئے گئے ہیں، کیا ان پر کوئی مؤثر احتجاج کر دیا ؟ اگر کوئی کانگریسی مسلمان سخن پروری کیساتھ نہیں بلکہ دیانت اور صداقت کے ساتھ ان امور کے متعلق اپنا کوئی کارنامہ پیش کرسکتا ہے، تو سامنے آئے اور ضرور آئے ۔ اور اگر اسکے پاس ہمارے ان سوالات کا کوئی جواب اسکے سوا نہیں ہے کہ "ہماری پشت پر دیندار مسلمانوں کی اتنی طاقت ہی نہیں جس سے ہم ان بے انصافیوں کا تدارک کرا سکیں"، تو ہمارا مدعا خود اسکے اپنے اعتراف سے ثابت ہوگیا۔ ہم بھی اس سے یہی اعتراف کرانا چاہتے ہیں کہ وہ ایک ایسی جماعت سے تعاون کر رہا ہے جو حق کو حق اور انصاف کو انصاف کی حیثیت سے قبول کرنے والی نہیں ہے، بلکہ صرف زور اور طاقت کے آگے سر جھکانے والی ہے، لہذا اسکے ساتھ تعاون کرکے محض اخلاقی طاقت سے وہ کوئی فائدہ حاصل نہیں کرسکتا ۔